کلامِ اقبال کی سمعی و بصری تفہیم

عبید اللہ کیہر

کلامِ اقبال کے حوالے سے دنیا بھر میں آج تک جس قدر علمی کام ہوا ہے، جو تحقیق کی گئی ہے، جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، جتنے مذاکرے و مباحثے کئے گئے ہیں اور جتنی تذکیر کی جاتی رہی ہے، کسی شاعر کے حوالے سے اس قدر کام کی شاید ہی دنیا میں کوئی مثال ملتی ہو۔ لیکن اس سب کے باوجود ہر دور میں اس بات کی شدید ضرورت محسوس کی جاتی رہی ہے کہ اقبال کے بلند پایہ کلام کو عام لوگوں کے لئے زیادہ سے زیادہ عام فہم انداز میں پیش کیا جائے۔ آج کا دور، میڈیا کا دور کہلاتا ہے۔ پرنٹ میڈیا، الیکٹرونک میڈیا اور سب سے بڑھ کر سوشل میڈیا۔ تصویر، تحریر سے زیادہ مؤثر ہے اور تصویر سے زیادہ مبلغ متحرک تصویر یعنی وڈیو فلم ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس میڈیا کو بھی اقبال فہمی کیلئے بھرپور انداز میں استعمال کیا جائے۔ کلام اقبال پر وڈیوز تو پہلے بھی تیار ہوتی رہی ہیں لیکن ان میں سے اکثر کی حیثیت ایک رواں نغمے سے زیادہ نہیں۔ ضرورت ہے کہ اقبال کے کلام کی وڈیو فلم کے ذریعے، آواز اور تصاویر کی مدد سے ایسی تشریح کی جائے کہ اسے دیکھنے والے کے سامنے مفاہیمِ اقبال بالکل واضح ہو کر آجائیں۔

میں نے اس حوالے سے پہلے مرحلے میں اقبال کی دو شہرہ آفاق نظموں "شکوہ" اور "مسجد قرطبہ" کا انتخاب کیا ہے۔ مختلف صداکاروں اور گلوکاروں کی آوازوں میں ریکارڈ شدہ کلام اقبال پر مشتمل صوتی مواد کو تحریر اور تصویر کے ذریعے سمعی و بصری پیرائے میں اس انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ کلام کی اثر انگیزی بھی بڑھ جائے اور اس کے مفاہیم بھی متحرک و مجسم ہو کر سامنے آجائیں۔

اقبالؒ:

اقبال نے جس دور میں ہوش سنبھالا، اس وقت امت مسلمہ اپنی تاریخ کے بدترین علمی، فکری، عملی اور سیاسی زوال سے گزر رہی تھی۔ مغلیہ سلطنت کا خاتمہ اقبال کی پیدائش سے کچھ ہی عرصے قبل ہوا تھا اور خلافت عثمانیہ کا خاتمہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ مسلمانوں کا عظیم ماضی، تاریخ کی داستانِ گم گشتہ بن چکا تھا اور مغربی افکار ان کے سامنے انسانیت کی نئی تاریخ بنا رہے تھے۔ سیاسی غلامی، فکری انحطاط اور مذہبی جمود کے ان حالات میں جنم لینے والے اقبال کے ذمے ملت کی رہنمائی کا عظیم کام تھا اور وہ اس کام کو کرنے کے پوری طرح اہل بھی تھے۔ وہ جہاں مغربی اقوام کے حالات سے واقف تھے وہاں مسلم تاریخ اور امت کے مسائل پر بھی ان کی گہری نظر تھی اور یہ نظر صرف وسعت علم تک محدود نہ تھی بلکہ اس کے ابلاغ کیلئے اپنے زمانے کے موثر ترین ذریعہ اظہار، یعنی شاعری پر انہیں غیر معمولی عبور بھی تھا۔

شکوہ:

شکوہ علامہ اقبال کی مشہور نظم ہے جسے پہلی مرتبہ 1911ء میں لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں پیش کیا گیا تھا۔

اقبال 1905ء سے 1908ء تک تین سال یورپ میں رہے۔ جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور قانون کی سند برطانیہ سے۔ انہوں نے یورپ میں قیام کے دوران وہاں کی علمی، سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی ترقی کو قریب سے دیکھا۔ جب وہ واپس ہندوستان آئے تو اہل یورپ کے برعکس مسلمانوں کی بے عملی، غلامانہ ذہن، اقتصادی پسماندگی، عملی ذوق و شوق کی کمی، دین سے محض زبانی عقیدت، قرآنی تعلیمات سے دوری اور اسوہء رسول سے وابستگی کے خیالی دعوے دیکھ کر بہت پریشان ہوئے۔

ان ایام میں صرف ہندوستان ہی کے مسلمان زبوں حال نہ تھے بلکہ ایران، ترکی، مصر اور افریقہ کے مسلمانوں کی حالت بھی خراب تھی۔ لیبیا اور ترکی میں جنگوں نے مسلمانوں کے احساس زوال کو اور بڑھا دیا تھا۔ مسلمان بلقان سے نکالے جا چکے تھے۔ ایران موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ طرابلس کے میدان مجاہدین کے خون سے لالہ زار تھے۔

ان عالمی حالات میں اقبال کی یہ نظم منظر عام پر آئی۔ شکوہ "میں اقبال کے اپنے دل کی آواز کے ساتھ ساتھ ایک عام مسلمان کے انداز فکر کی بھی ترجمانی تھی۔

شکوہ خدا کے دربار میں دور حاضر کے مسلمانوں کی ایک فریاد بھی ہے۔

شکوہ نے مسلمانوں میں یہ فکر پیدا کی کہ وہ دنیا میں اپنی شکست و زوال کے اسباب پر غور کریں۔

جن کی شمشیر اور تکبیر سے بڑے بڑے قہار لرز جاتے تھے وہ کیوں اس ذلت و رسوائی کا شکار ہے۔

ایک طرف تو ان کا یہ عقیدہ کہ وہ خدا کی محبوب امت ہیں اور دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ ان کا مکمل زوال ہو چکا ہے۔

شکوہ میں اقبال کا کسی رکھ رکھاؤ کے بغیر اللہ سے براہ راست ہم کلام ہونا بھی اسلامی تصورات کے عین مطابق ہے کیونکہ صرف دین اسلام ہی کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ اس میں بندہ خدا سے بلاواسطہ ہم کلام ہو سکتا ہے۔

اقبال کا کہنا ہے کہ خدا کی ذات تو بلاشبہ ازل سے موجود تھی اور اس دنیا میں غالب اقوام سلجوقی، تورانی، چینی، ساسانی، یونانی، یہودی اور نصرانی بھی آباد تھے، لیکن تصورِ توحید کی اشاعت و تبلیغ کا جو کام امت مسلمہ نے سرانجام دیا ہے وہ کسی اور کے بس کی بات نہ تھی۔ اہل اسلام ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے خدائے واحد کے پیغام کو دنیا بھر میں پہنچایا۔

روما اور ایران جیسے ملکوں کو فتح کرنا کسی حیرت انگیز کارنامے سے کم نہیں ہے۔ اُنہی کی بدولت دنیا میں حق کی صدا گونجی۔ سلطنت عثمانیہ کے دور میں مسلمانوں کی فرماں روائی یونان، بلغاریہ، البانیہ، ہنگری اور آسٹریا تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہسپانیہ پر بھی مسلمان کئے صدیاں حاکم رہے اور یورپ کے ان علاقوں میں جہاں آج کلیساؤں میں ناقوس بجتے ہیں کبھی وہاں اذانیں گونجتی تھیں۔ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں مصر، لیبیا، تیونس، مراکش اور الجزائر جیسے ممالک بھی مسلم سلطنت میں شامل تھے۔

شکوہ میں اقبال نے امت مسلمہ کے درخشاں ماضی کی جھلکیاں دکھاتے ہوئے ان کی موجودہ حالت کا دوسری اقوام سے موازنہ کیا ہے، پھر مسلمانوں کی اس بے بسی و بے چارگی کا واسطہ دے کر خدا سے پوچھا ہے کہ اہلِ توحید پر اب وہ پہلے جیسا لطف و کرم کیوں نہیں جبکہ وہ آج بھی خدا کے نام لیوا ہیں اور اُس کے رسول کے پیروکار ہیں، آج بھی اُن کے دلوں میں دینِ اسلام کیلئے زبردست جوش و جذبہ موجود ہے۔

مسجدِ قرطبہ:

"مسجد قرطبہ" علامہ اقبال کے افکار و خیالات کا نمائندہ شاہکار ہے۔ اسے اردو ادب کا تاج محل کہا جاتا ہے۔ اس نظم میں جہاں اقبال یہ سانحہ بیان کرتے ہیں کہ کس طرح یہاں مسلمانوں نے ہزار برس تک حکومت کی اور پھر کس طرح ان کا اقتدار باطل قوتوں کے قدموں تلے روندا گیا، وہیں وہ قرطبہ میں دریائے وادی الکبیر کے کنارے بیٹھ کر مسلمانوں کو ایک نئے زمانے کا خواب بھی دکھاتے ہیں کہ جو اسی وقت شرمندہ تعبیر ہو پائے گا جب ہم خون جگر سے معجزہ فن کی نمود کے قابل ہو جائیں گے۔

اس نظم کا پس منظر سمجھنے کیلئے ہمیں اس دور میں جانا پڑے گا کہ جب مدینہ منورہ میں پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی اور پھر صرف 90 سال کے اندر اندر مسلمانوں کے قدم سرزمین عرب سے نکل کر ایک فاتح کی حیثیت سے یورپ تک پہنچ گئے۔ ایک ایسے وقت میں، جب پورا یورپ جہالت اور بدحالی کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہاں کا عام انسان بدحال اور پریشان، جبکہ حکمراں، امراء، پادری اور فوج عیش و عشرت میں مشغول تھے۔ اندلس کا بھی یہی حال تھا۔

مسلمانوں کے ہاتھوں اندلس کی آسانی سے فتح کا ایک سبب ہسپانیہ کا ایک نواب کاؤنٹ جولیان Count Jaulian بھی تھا۔ جب کاؤنٹ جولیان کی شاہی محل میں زیر تربیت بیٹی فلورنڈا Florinda کی شاہ راڈیرک نے آبروریزی کی تو اپنی عزت کا بدلہ لینے کیلئے جولیان نے مراکش کے مسلمان گورنر موسیٰ بن نُصیر سے مدد مانگی۔ موسیٰ بن نصیر نے جب اندلس کا یہ احوال سنا تو بارہ ہزار سپاہیوں کا لشکر طارق بن زیاد کی قیادت میں ساحلِ ہسپانیہ کی طرف روانہ کر دیا۔ 30 اپریل 711ء کے دن یہ لشکر ہسپانیہ کے ساحل پر اُس پہاڑ کے دامن میں اُترا کہ جس کا نام تاریخ کے آنے والے ادوار میں طارق بن زیاد کے نام پر "جبل الطارق" پڑ گیا۔ آج بھی اس پہاڑ کو "جبر الٹر" ہی کہا جاتا ہے جو کہ لفظ "جبل الطارق" کی تبدیل شدہ شکل ہے۔

طارق بن زیاد نے ساحل پر اترتے ہی ایک حیرت انگیز کام یہ کیا کہ اپنی کشتیوں کو آگ لگا دی، جو اس بات کا اعلان تھا کہ اب جینا مرنا اسی سرزمین پر ہے اور یہاں سے فرار ہونے کی کوئی گنجائش نہیں۔ شاہ راڈیرک نے بھی مسلمانوں کے خلاف ایک لاکھ کا لشکر جمع کر لیا، البتہ کاؤنٹ جولیان مسلمانوں کا ساتھ دے رہا تھا۔

بالآخر جب دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو فلک نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ ایک طرف تو بہترین اسلحے سے لیس ایک لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرار ہے، اور دوسری طرف اپنے وطن سے دور صرف بارہ ہزار انسان، جن کے پاس دشمن کی نسبت اسلحہ بھی کم اور کسی قسم کی مزید کمک کا امکان بھی معدوم۔ لیکن مسلمان فوج بے جگری سے لڑی اور صرف بارہ ہزار مسلمان سپاہیوں نے راڈیرک کے ایک لاکھ کے لشکر کو اسی کے ملک میں بدترین شکست سے دوچار کر دیا اور پھر کچھ ہی عرصے میں پورا ہسپانیہ، پرتگال اور جنوبی فرانس، سب مسلمانوں کے زیر نگیں آ گئے۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ایک فاتح قوم کی حیثیت سے مسلمان ہسپانیہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتے، قتل و غارت کرتے اور یہاں کا مال و متاع لُوٹ کر اپنے ملک لے جاتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ سرزمین اندلس کو اپنے سینے سے لگایا اور نہ صرف اندلس، بلکہ پورے یورپ کو پسماندگی سے نکال کر تمدن کی اس راہ پر ڈالا کہ جس کے فائدے وہ آج تک اٹھا رہے ہیں۔

مسلمانوں کی آمد سے قبل یورپ میں گندگی اور غلاظت کے ڈھیر ختم نہ ہوتے تھے۔ گندا پانی اور کیچڑ گلیوں بازاروں میں پھیلا رہتا تھا۔ لوگ مہینوں نہیں نہاتے تھے۔ پینے کا صاف پانی میسر نہ تھا۔ ہسپتالوں کا وُجود نہ ہونے کے برابر تھا اور بیماریوں کا علاج دواؤں کی بجائے جادُو ٹونے اور عملیات سے کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں نے یورپ کو ایک تہذیب سے متعارف کروایا۔ مسلم ہسپانیہ اسلامی تہذیب و تمدّن کا مرکز اور دنیا کی عظیم فلاحی مملکت بن گیا. جس وقت مسلم اسپین کا دارالخلافہ قرطبہ روشنیوں کا شہر تھا اور اس کے ہر گھر میں لائبریری ہوتی تھی، اس وقت یورپ کے سارے شہر اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ جب سارے یورپی ممالک جہالت کی تاریکی میں گم تھے، تب مسلم اسپین میں شرح خواندگی سو فیصد تھی۔ لاتعداد مساجد، محلات، مدرسے، قلعے، پل، سڑکیں، ہسپتال اور بندرگاہیں تعمیر کی گئیں، صنعت و حرفت کو فروغ ملا اور تجارت نے بے تحاشا ترقی کی۔

علمِ فلکیات، علمِ ریاضی، علمِ طب، علمِ کیمیا، علمِ نباتات، علمِ جغرافیہ اور دیگر کئی علوم و فنون اہل اندلس کی زندگی کا حصہ بنتے چلے گئے۔ دنیائے اسلام کے عظیم فلسفی، عالم اور سائنسدان یہاں پیدا ہوئے اور قرطبہ دنیا کا سب سے بڑا شہر اور علم و ادب کا گہوارہ بن گیا۔ مسلم ہسپانیہ کی سرزمین سے عظیم مفسرِ قرآن اِمام قرطبی، مشہورِ سیاح اِبنِ جبیر، ماہر سرجن ابوالقاسم الزہراوی، خالق فلسفہ وحدت الوجود ابنِ عربی، عظیم فلسفی ابنِ رُشد، عظیم ماہر فلکیات ابو اسحاق الزّرقالی، تاریخ و عمرانیات کے امام ابنِ خلدون، معروف ماہرِ فلکیات شریف اِدریسی، ہوائی جہاز کے اولین موجد عباس ابن فرناس، نامور طبیب ابن الہیثم، ماہر نباتات ابن بیطار اور دیگر بے شمار علمی و ادبی شخصیات نے جنم لیا۔ ان دنوں صرف قرطبہ شہر میں کتب فروشوں کی دُکانیں بیس ہزار تک جا پہنچی تھیں۔ اندلس کی لائبریری اپنے دور میں دُنیا کی سب سے بڑی لائبریری تھی جہاں کتابوں کی تعداد چار لاکھ سے زیادہ تھی۔ صرف قرطبہ میں تعلیمی اداروں میں دس ہزار سے زیادہ طلبہ زیر تعلیم رہتے تھے۔ اندلس کی سب سے بڑی رصد گاہ اشبیلیہ میں تھی۔ ابو اسحاق قرطبی نے پہلی مرتبہ زمین کی بجائے سورج کو نظامِ شمسی کا مرکز قرار دیتے ہوئے ثابت کیا کہ تمام سیارے سورج کے گرد محوِ گردش ہیں۔ ابن فرناس نے

اپنے گھر میں پلانیٹیریم بنا رکھا تھا اور آسمانی بجلی کی مصنوعی گرج چمک کا سیمولیٹر بھی تیار کیا تھا۔ روئی بھی مسلمانوں نے ہی یہاں متعارف کروائی۔ رُوئی کو عربی میں قُطن کہتے ہیں۔ یہی لفظ انگلش میں Cotton کہلایا۔ پٹ سن کے ریشے سے دھاگا اور کاغذ تیار کیا جاتا تھا۔ گنّے سے اعلیٰ قسم کی شکّر تیار کی جاتی تھی۔ ابن العوام نے اناج کو دیر تک محفوظ رکھنے کیلئے ایسے گودام ڈیزائن کئے جن میں اناج سالہاسال تک خراب ہونے سے محفوظ رہتا تھا۔ یورپ میں مسلم اسپین پہلا ملک تھا کہ جہاں کاغذ بنانے کا کام شروع ہوا۔ قرطبہ کی چمڑے کی صنعت یورپ میں اس قدر مقبول تھی کہ فرانس میں چمڑے کا نام ہی "قرطووان" Cordovan پڑ گیا تھا۔

اندلسی تہذیب و ثقافت کی دُنیا بھر میں ایک معیاری حیثیت تھی۔ مسلم سپین کا دارالحکومت قرطبہ اپنی علمی و فنی سرگرمیوں اور صنعت و تجارت کے باعث دُنیا میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ قرطبہ کی سڑکوں، پلوں اور تعمیرات نے اُسے چار چاند لگا دیئے تھے۔ یہاں تقریباً دو لاکھ رہائشی مکانات تھے۔ دھاتی پائپوں کے ذریعے اس وسیع و عریض شہر کو پانی کی فراہمی اس دور کا حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ شہر میں ہزاروں دوکانیں، مساجد، سینکڑوں تعلیمی ادارے، ہسپتال، حمام اور اناج کے گودام تھے۔ پختہ سڑکوں پر رات بھر روشنی کا انتظام رہتا تھا۔ جبکہ یہ وہی دور تھا کہ جب یورپ کے بڑے شہروں لندن اور پیرس کی راتیں گھپ اندھیروں میں گزرا کرتی تھیں۔

قرطبہ میں عبدالرحمن اوّل نے 780ء میں اسلامی فن تعمیر کے عظیم شاہکار، مسجد قرطبہ کی بنیاد رکھی۔ اس کی لمبائی اور چوڑائی تقریباً ایک کلومیٹر ہے۔ مسجد کی تیس فٹ بلند چھت کو سہارا دینے کیلئے تقریباً ڈیڑھ ہزار ستون تھے۔ دیواریں اس قدر بلند تھیں کہ دور سے دیکھنے پر فصیلِ شہر کا گمان ہوتا تھا۔ مسجد کے مرکزی فانوس میں بیک وقت ایک ہزار چراغ روشن ہوتے تھے۔ اُس کے مینار 70 فٹ بلند بنائے گئے۔ آٹھویں صدی عیسوی میں قرطبہ کے اندر ایسی حسین و جمیل اور مضبوط عمارت کا وجود حیرت انگیز بات تھی کہ اُس وقت دیگر دنیا میں اس قدر قابل ماہرین تعمیر موجود ہی نہیں تھے۔

عبدالرحمٰن اول کے جانشین اگلے تین سو سال تک پورے اسپین پر حکومت کرتے رہے.... اور پھر اس عروج کو زوال آنا شروع ہو گیا۔ اسپین کی مختلف ریاستوں میں مختلف مسلمان حکمرانوں نے اپنی الگ الگ حکومتیں قائم کر لیں جو اکثر ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار رہتی تھیں۔ بالآخر غرناطہ میں مسلمانوں کی آخری حکومت نے 1492ء میں عیسائیوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور یوں اسپین میں مسلمانوں کے تقریباً ساڑھے سات سو سالہ اقتدار کا خاتمہ ہو گیا.

مسیحی بادشاہ فرڈیننڈ نے مسجد قرطبہ کو کلیسا میں تبدیل کر دیا، حالانکہ وہاں رہنے والے عیسائیوں کی اکثریت یہ نہیں چاہتی تھی۔ جس آرچ بشپ نے مسجد کے وسط میں کلیسا کی تعمیر کی منظوری دی تھی، تعمیر مکمل ہونے کے بعد جب اُس نے مسجد کو دیکھا تو افسوس کے ساتھ کہا: "اگر مجھے معلوم ہوتا کہ مسجد اتنی حسین ہے تو میں یہاں کبھی کلیسا کی تعمیر کی اجازت نہ دیتا۔" 1502ء میں ہسپانیہ میں اسلام کو باقاعدہ طور پر غیر قانونی قرار دے دیا گیا اور مسلمانوں کو افریقہ ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصے میں پورے اسپین میں ایک بھی مسلمان باقی نہ بچا۔

مسلمانوں کے جانے کے بعد سولہویں اور سترہویں صدی میں بھی سلطنت ہسپانیہ نے عیسائی اقتدار میں خوب ترقی کی اور کولمبس نے یہیں سے نکل کر امریکہ دریافت کیا۔ حتیٰ کہ اٹھارہویں صدی کے شروع میں فرانس کے نپولین بوناپارٹ نے ہسپانیہ پر قبضہ کر لیا۔ سات سال بعد جب نپولین نے اسپین کو چھوڑا تو اس وقت تک وہ بے شمار اندرونی مسائل اور خانہ جنگیوں کا شکار ہو چکا تھا۔ 1877ء میں جب ہسپانیہ کا 36 سالہ جمہوری دور ختم ہوا اور شہنشاہ الفانسو کی سربراہی میں دوبارہ بادشاہت کا آغاز ہوا، تو یہ وہی ایام تھے کہ جب اسپین کے مقبوضہ ممالک کیوبا، گوام، پورٹوریکو اور فلپائن میں آزادی کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں.... اور یہی وہ ماہ و سال تھے کہ جب ہندوستان میں بھی انگریز قابضین کے خلاف مسلمانوں کی تحریک آزادی شروع ہو چکی تھی۔

مسلمانانِ ہند کی پہلی جنگ آزادی کو بیس سال گزرے تھے کہ پنجاب کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر 21 اپریل 1877ء کے دن محمد اقبال کی ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور شادی کے بعد اقبال مزید تعلیم کے لیے لاہور منتقل ہو گئے اور چار سال بعد ایم اے کے امتحان میں پنجاب بھر میں اوّل آئے۔ اس وقت تک شاعری کا سلسلہ تو شروع ہو چکا تھا، مگر وہ اب تک کسی مشاعرے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ ایک دن کچھ دوست انہیں ایک محفلِ مشاعرہ میں کھینچ کر لے گئے۔ وہاں جب انہوں نے یہ شعر پڑھا:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چُن لیے

قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

تو بڑے بڑے اساتذہ حیرت زدہ رہ گئے اور بے اختیار ہو کر داد دینے لگے۔ یہیں سے اقبال کی بحیثیت شاعر شہرت کا آغاز ہوا اور پھر وہ مشاعروں میں بہ اصرار بُلائے جانے لگے۔

1905ء میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ چلے آئے۔ تین سال بعد جرمنی کی میونخ یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ اور انگلینڈ سے قانون کی ڈگری لے کر وہ وطن واپس آ گئے، لاہور میں رہائش اختیار کی اور پنجاب یونیورسٹی میں پڑھانا شروع کر دیا۔

1923ء میں حکومتِ برطانیہ کی طرف سے اقبال کو "سَر" کا خطاب ملا۔ دوستوں نے اندیشہ ظاہر کیا کہ اب شاید وہ آزادئ اظہار سے کام نہ لے سکیں گے۔ اقبال نے جواب میں تحریر کیا:

"قسم ہے خدائے ذوالجلال کی کہ جس کے قبضے میں میری جان ہے اور قسم ہے اس بزرگ و برتر وجود محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی کہ جس کی وجہ سے مجھے خدا پر ایمان نصیب ہوا اور مسلمان کہلاتا ہوں، دنیا کی کوئی طاقت مجھے حق کہنے سے باز نہیں رکھ سکتی۔"

1931ء میں لندن میں تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت سے واپسی پر علامہ اقبال ہسپانیہ گئے۔ یہ وہی سال تھا کہ جب اسپین میں ایک بار پھر بادشاہت کا خاتمہ ہو رہا تھا اور جمہوریت قائم ہو رہی تھی۔ قرطبہ پہنچنے کے بعد آپ اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی مسجد میں تشریف لے گئے، کہ جو اب گرجا گھر میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اقبال نے اپنے گائیڈ سے کہا میں یہاں نماز ادا کرنا چاہتا ہوں۔ گائیڈ نے خدشہ ظاہر کیا کہ یہاں کے پادری شاید اس کی اجازت نہ دیں، مگر اقبال مصلہ بچھا کر بیٹھ گئے اور پھر پادریوں اور محکمہ آثار قدیمہ سے اجازت لے کر اُس مسجد میں اذان دی کہ جس کی فضا صدیوں سے بے اذاں تھی۔ پھر نماز پڑھی۔

وہ مسجد قرطبہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہاں سے اپنے ایک خط میں لکھا:

"میں وہاں اپنی ہی شاعری سے بہت دلگیر ہوا۔ وہاں دوسری نظموں کے علاوہ ایک نظم مسجد قرطبہ پر بھی لکھی گئی۔ الحمراء کے محلات کا تو مجھ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا، لیکن مسجد کی زیارت نے جذبات کی ایسی کیفیت میں پہنچایا کہ جو مجھے اس سے پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھی۔"

\